خواتین اور دوشیزاؤں کیلیے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
اکتوبر 2019

خواتین ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... 700/- روپے
ایشیاء، افریقہ، یورپ .... 6000/- روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا .. 7000/- روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

رنگارنگ پھول

نفسیات

بیوٹی بکس

اکتوبر 2019

جلد 47 شمارہ 6

قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیر

خواتین ڈائجسٹ کا اکتوبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
اکتوبر کا مہینہ موسم میں تبدیلی کی نوید لاتا ہے۔ جب گرمی کی شدت کم ہونے لگتی ہے لیکن اس بار موسم نہیں بدلا۔ ملک میں گرمی کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی گرماگرمی ہے۔
وزیراعظم پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ مظلوم و محصور کشمیری عوام کا مقدمہ پیش کیا۔ بھارت کے مظالم بے نقاب کیے۔
پچھلے ستر سالوں سے پاکستان نے ہمیشہ ہر فورم پر، ہر جگہ اور ہر موقع پر یہی موقف پیش کیا ہے۔
ماضی کے وزرائے اعظم بھی یہی نکات پیش کرتے رہے ہیں۔ مدلل اور مؤثر انداز میں کشمیری عوام کے لیے آواز اٹھاتے رہے ہیں کشمیری عوام پر بھارت کے ظلم و زیادتی پر دنیا میں کہیں سے بھارت کے خلاف آواز بلند نہیں ہوئی۔ دنیا کی اس بے حسی اور مجرمانہ خاموشی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔
لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا اپنے مفادات کی تابع ہے۔ تقریر خواہ کتنی ہی اچھی ہو، کتنی ہی فصیح و بلیغ زبان کا استعمال کیا گیا ہو، دنیا کی نظر میں اس کی اہمیت نہیں ہے۔ کسی بھی زبان میں تقریر کریں، آپ کی بات میں وزن ہونا چاہیے۔ آپ کے موقف کی مضبوطی سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ اندرونی طور پر کتنے طاقت ور اور متحد ہیں۔ آپ کی معیشت کتنی مضبوط ہے اور آپ دنیا کو کیا دے سکتے ہیں۔
جب تک ہم معاشی طور پر مضبوط، پرامن، متحد اور خوش حال قوم نہیں ہوں گے، دنیا ہماری بات کو اہمیت نہیں دے گی۔

محمود بابر فیصل،

وقت چاہے جتنا آگے بڑھ جائے، ان لوگوں کی یادیں ہمیشہ تازہ رہتی ہیں جو ہمارے دلوں کے مکین ہوتے ہیں۔
محمود بابر فیصل ہمارے ہی نہیں بہت سارے دلوں میں بستے تھے۔ انہیں آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں۔
25 اکتوبر 1993ء کو محمود بابر فیصل اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ آمین۔
قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

آہ۔ صابر حسین،

کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے

ایک عمر کی کڑی جدوجہد کا اختتام ہوا۔ محترم صابر حسین صاحب ایک دکھوں بھرے سفر کی مسافت طے کر کے ابدی، پرسکون نیند سو گئے۔
إنا لله وإنا إليه راجعون ۝
صابر حسین ایک بے مثل فنکار تھے۔ انہوں نے ایک نئی طرز ایجاد کی تھی جس میں جدت اور روایت کا بڑا خوبصورت امتزاج پایا جاتا تھا۔ اور یہی ان کی شناخت تھی۔
صابر حسین محمود ریاض صاحب کے ابتدائی دور کے ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ اس وقت سے ریاض صاحب کے ساتھ تھے جب وہ بلاکنگ کا کام کرتے تھے اور انہوں نے پرچوں کا اجرا نہیں کیا تھا۔ اپنی زندگی کے اختتام تک وہ اسی ادارے سے وابستہ رہے۔
صابر حسین صاحب نے زندگی میں کئی تجربے کیے۔ ایک ڈائجسٹ کا اجرا بھی کیا لیکن تمام تر صلاحیتوں کے باوجود قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔
ان کی پوری زندگی کڑی محنت اور جدوجہد سے عبارت تھی۔ چھ بیٹیاں تھیں۔ اولاد نرینہ سے بھی محروم رہے۔
وہ بہت خوددار اور وضع دار طبیعت کے مالک تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ دفتر نہیں آسکتے تھے تو گھر بیٹھ کر کام کرتے رہے۔ ان کی کمی کبھی پوری نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ آمین۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔
پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔
کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔
ہم جو احادیث شائع کررہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

سورہ ملک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”قرآن مجید کی ایک تیس آیتوں والی سورت ایسی ہے جس نے ایک آدمی کی (اللہ کے ہاں) سفارش کی یہاں تک کہ اس کی بخشش کردی گئی اور وہ سورت (تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ) ہے۔“
(اس روایت کو امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن ہے)

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ یہ سورت قیامت والے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے بارگاہ الٰہی میں مغفرت کی سفارش کرے گی۔اسے صیغہ ماضی میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ ماضی کی طرح ہی اس کا وقوع محقق ہے۔
تاہم بعض روایت میں ماضی کے بجائے حال کا بیان ہے یعنی سفارش کرے گی۔

سورہ بقرہ

حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”جس نے رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کو کافی ہوجائیں گی۔“ (بخاری و مسلم)
بعض نے کہا ہے کہ ”کافی ہوجائیں گی“ کا مطلب ہے: اس رات کو ناپسندیدہ چیزوں سے اسے کافی ہوجائیں گی۔اور بعض نے کہا ہے کہ قیام اللیل سے کافی ہوجائیں گی۔ (یعنی یہ دونوں آیتیں قیام اللیل کے ثواب کی قائم مقام ہیں۔)

فوائد و مسائل:

1۔ کافی ہوجانے کا مطلب ہے کہ سرکش شیاطین کی شرارتوں وغیرہ سے انسان بچ جاتا ہے۔
2۔ دوسرا مفہوم یہ ہے، جیسا کہ امام نووی نے بھی دوسرا قول نقل فرمایا ہے کہ یہ دونوں آیات تہجد کے قائم مقام ہوجائیں گی۔سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق

انشا جی

پچھلوں دنوں ہمارے دشمنوں کی یعنی ہماری اپنی طبیعت ناساز رہی تو یہ عقدہ کھلا کہ اب تک جو ہم خلق خدا کو تین قسموں میں تقسیم کرتے تھے۔ 'ڈاکٹر' بیمار اور تیمارداری، یہ ناحق کا پھیلاؤ تھا۔ دنیا کی آبادی کو دو حصوں میں با آسانی بانٹا جاسکتا ہے، ایک بیمار، ایک معالج، کیونکہ تیماردار کوئی علیحدہ طبقہ نہیں، ان میں آدھے بیمار ہوتے ہیں، آدھے معالج ہوتے ہیں بلکہ ان کی بڑی تعداد بیک وقت بیمار اور معالج ہوتی ہے، خود کوزہ وخود کوزہ گر' خود گل کوزہ' ایک ذرا سی مثال دیتے چلیں، پچھلے دنوں حضرت طباشیر الملت حکیم عبدالمنان اسبغول دہلوی بکریوں والے مشہور ہیں کیونکہ ان کے اجداد بکریوں کا علاج کرتے تھے۔ اپنے پتے کے علاج کے لیے ایک کلینک میں داخل ہوئے، پتے میں کیا خرابی تھی، ہمیں معلوم نہیں، دراصل پتا مارتے بہت تھے۔ دن بھر مطب میں بیٹھتے، کام کرتے، نسخے اور غزلیں بناتے رہتے۔ وہاں ان کا سابقہ ڈاکٹر ایم بی بی ایس بیگ ایم بی بی ایس سے پڑا، یہ ڈاکٹر صاحب اپنے سابقے اور لاحقے دونوں طرف سے ڈاکٹر معلوم ہوتے ہیں، جس طرح دو موہی کے دو منہ ہوں، لیکن فی الواقع ہے ایم بی بی ایس کا مطلب مرزا باقر بن سلطان ہے۔ ڈاکٹری فقط انہیں لاحق ہوئی ہے۔ خیر کلینک میں ڈاکٹر بیگ ابھی ہمارے حکیم صاحب کا اسٹیتھکوپ سے امتحان کررہے تھے کہ انہوں نے ان کی نبض پکڑ لی اور کہا۔

"آپ کو تو یرقان معلوم ہوتا ہے۔" مزید اطمینان کے لیے ڈاکٹر صاحب کا قارورہ کلیم صاحب نے لیا اور ڈاکٹر صاحب نے ان کے انجکشن لگایا، حکیم صاحب نے ان کی فصد کھولی، انہوں نے ان کو کیپسول کھلائے۔ انہوں نے معجون فلسفہ اور عرق گاؤزبان سے تواضع کی، دونوں کو اللہ نے صحت دی، بل دونوں نے دیے۔ رقمیں برابر تھیں۔ لہٰذا یہ بھی خوش، وہ بھی خوش۔

خیر اس وقت بحث اپنی یا حکیم صاحب کی بیماری کی نہیں، تذکرہ تیمارداری کا تھا، ہوا یہ کہ پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ کس پھڈے میں اڑا کر انہوں نے تڑوائی اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں، بہرحال اسپتال میں داخل ہوئے، ڈاکٹر نے پلستر چڑھایا اور

سویا میر التصیب کے متو

آغا طلال سے باتیں

شاہین رشید

(1) ''اصلی نام؟''

''آغا طلال۔''

(2) ''پیار کا نام؟''

''ما ...... (Maa)۔''

(3) ''تاریخ پیدائش؟''

''23 اپریل ...... 1989ء۔''

(4) ''قد؟/ستارہ؟''

''5 فٹ ...... 11 انچ۔''

(5) ''مادری زبان؟''

''اردو۔''

(6) ''فیملی ممبرز؟''

''والدین، ایک چھوٹا بھائی اور ایک بڑی بہن جس کی شادی ہوچکی ہے اور میرا نمبر دوسرا ہے۔''

(7) ''شادی/ بچے؟''

''ابھی تو نہیں ہوئی شادی/سنگل ہوں۔''

(8) ''تعلیم؟''

''گریجویشن اور اے سی اے۔''

(9) ''شوبز میں آمد؟''

''ایک دوست نے بتایا تھا کہ آڈیشن ہو رہے ہیں، تو بس وہاں جا کر قسمت آزمائی کی۔ اور اللہ نے روزگار میڈیا سے وابستہ کردیا اور شکر کہ گھر والوں نے بھی اعتراض نہیں کیا۔''

(10) ''بچپن کی ایک بری عادت جو مشکل سے گئی؟''

''سیریس سچویشن میں بھی ہنسنا۔''

(11) ''پہلی کمائی کس کے ہاتھ میں رکھی؟''

''اپنے والد کے ہاتھ میں۔''

(12) ''ایک ادھورا خواب جو اکثر دیکھتے ہیں؟''

''میں کرکٹر بننا چاہتا تھا...... اور بن نہ سکا۔ بس یہی خواب دیکھتا ہوں۔''

(13) ''آپ کا سورج نکلتا ہے؟''

''صبح آٹھ بجے۔''

(14) ''صبح سویرے کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟''

''موبائل فون۔''

(15) ''بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کھاتے ہیں؟''

''ڈرائی فروٹ، میوہ جات۔''

(16) ''پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں؟''

''اللہ نے جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کا ہم صحیح استعمال نہیں کر رہے۔''

(18) ''کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟''

جال، داسی، گھر تتلی کا پر کے ڈائریکٹر

محسن طلعت سے مُلاقات

شاہین رشید

کئی مشہور اور کامیاب ڈراموں کے ڈائریکٹر محسن طلعت آج ہمارے مہمان ہیں۔ ''تھوڑی سی وفا چاہیے' گھر تتلی کا پر، کہہ جاناں میں کون، داسی، جال، رمزِ عشق اور عشق تماشا جیسے کامیاب ڈراموں کو انہوں نے ہی ڈائریکٹ کیا ہے۔ یہ اتنا مشکل کام کیسے آسانی سے کر لیتے ہیں۔ معلوم کرتے ہیں اور ہم شکریہ ادا کرتے ہیں محسن طلعت کا کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''کچھ اپنے بارے میں اور اپنی فیملی کے بارے میں بتائیے؟''

''جی ...... ضرور ...... میرے آباؤ اجداد کا تعلق انڈیا (دہلی) سے ہے، دہلی میں ایک بہت مشہور جگہ تھی بلی ماراں...... مرزا غالب کا تعلق بھی وہیں سے تھا۔ نانا، نانی کا تعلق بھی وہیں سے تھا۔ دادا فیملی کے ساتھ مائیگریٹ کر کے کراچی آئے اور کلفٹن میں قیام پذیر ہوئے ......اور نانا چونکہ ریلوے میں تھے تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ لاہور آئے۔ کیونکہ لاہور میں ریلوے کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

دادا حاجی جمیل الرحمٰن بھولا والے مشہور تھے اور ''رہبر واٹر کولر'' کا بزنس ان ہی کا تھا۔ میرے والد ایک پرائیویٹ فرم میں جاب کرتے ہیں...... میں 27 اگست 1977ء میں پیدا ہوا (والدہ ہاؤس وائف ہیں) ہم آٹھ بہن بھائی ہیں۔ چار بھائی اور چار بہنیں اور میں گھر میں سب سے بڑا ہوں اور اپنی فیملی میں میں ہی ہوں جس نے سب سے پہلے میڈیا جوائن کیا۔ میری شادی کو تقریباً انیس سال ہو گئے ہیں۔ چار بچے ہیں ماشاء اللہ سے۔ بڑا بیٹا ساڑھے چودہ سال کا ہے۔ احمد اس کا نام ہے۔ پھر بیٹی ہے

عفت سحر طاہر

ہائی وے پر ٹرالر اور کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ٹرالر کا ڈرائیور بھاگ جاتا ہے، کار بری طرح پچک جاتی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد اور اگلی نشست پر ہی بیٹھی عورت خون میں لت پت ہیں۔ ریسکیو عملے کا انتظار ہے کہ وہ آئے تو گاڑی کی باڈی کاٹ کر لاشیں نکالی جائیں اسی وقت گاڑی سے ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔

ہاسپٹل میں چار لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہیں نرس باہر آ کر کہتی ہے آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

سرخ پھولوں سے سجی گاڑی پوش ایریا کے ایک بنگلے کے آگے رکتی ہے تو۔ دولہا کی ماں ملازمہ سے کہتی ہے کہ دلہن کو لے کر اندر آؤ۔ ملازمہ دلہن کو بیڈ روم میں بٹھا کر جانے لگتی ہے تو دلہن اس سے سر درد کی گولی مانگتی ہے۔ ملازمہ کہتی ہے کہ چائے بھی لے آؤں۔

دولہا کمرے میں آتا ہے۔ تو وہ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بچی کو لے کر آتا ہے کہ اس کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔

نرمین کو ہواؤں میں اڑنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے حریم اس کی چھوٹی بہن اسے سمجھاتی ہے۔

نرمین کی سہیلی بجل کہتی ہے کہ تمہیں عباد وسیم پوچھ رہا تھا۔

نرمین اپنی دوست صوما کی سالگرہ میں جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اس کی اماں کو اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان لڑکی آدھی رات کو سالگرہ میں سے واپس آئے گی تو محلے والے کیا کہیں گے۔ اس کے اصرار پر ابا سے جانے کی اجازت

فضول خرچ

شازیہ الطاف ہاشمی

سبزی کاٹتی نور کے ہاتھ پل بھر کو تھم گئے۔ وہ کہاں سے کہاں جا نکلی۔ آلو پالک کی ٹوکری میں آدھی باریک کٹی پالک پڑی تھی اور باقی ویسی کی ویسی سامنے دھری تھی۔ کیا وقت تھا جب سب کے سب دسترخوان پر جمع ہوا کرتے۔ امی جان کی ہاتھ کی کسی بھی قسم کی ترکاری ہو اور ذائقہ نہ ہو یہ تو ممکن ہی نہیں۔ دادی خوب ڈٹ کے کھانا کھاتیں اور ببلو کو آواز لگاتیں۔

عائشہ تنویر

خطا تمہاری مسترد

کارپٹ پر بیٹھی، بیڈ سے ٹیک لگا کر وہ دل جمعی سے پڑھنے میں مصروف تھی۔ آس پاس چھایا رات کا سکوت اسے توجہ مرکوز کرنے میں مدد دے رہا تھا۔ جب ہی دروازہ کھول کر تسبیح ہاتھ میں لیے کلثوم اندر داخل ہوئی تھیں۔ زینی نے بے دھیان سی نظر ان پر ڈالی۔ بیٹھنے کے لیے وہ ہمیشہ بیڈ ہی منتخب کرتی تھیں۔ پھر پشت ٹکانے، نیم دراز ہونے سے مکمل دراز ہو جانے کے مراحل کچھ ہی دیر میں طے ہو جاتے۔ اب بھی بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے زینی کو مخاطب کیا۔

''بابر کو فون تو کرو بیٹا! ابھی تک آیا کیوں نہیں ہے۔''

وہ نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر رہی تھیں۔ دن میں بھی ایسے ہی تسبیح کرتے وہ کئی بار غنودگی میں چلی جاتیں، اب تو ویسے ہی ان کے سونے کا وقت تھا۔ وہ نیند سے بے حال ہو رہی تھیں۔ ایسے ادھر ادھر کمر ٹکا لیتیں لیکن بابر کی غیر موجودگی میں وہ کبھی اپنے کمرے میں سونے نہیں جاتی تھیں۔

''ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے امی! وہ شادی میں گیا ہے۔ اسے دیر ہو جائے گی۔ آپ آرام سے سو جائیں۔''

زینی نے اپنی جگہ سے ہلے بنا انہیں تسلی دینا چاہی مگر وہ مطمئن نہ ہوئیں۔

''تم فون تو کرو، وقت یاد دلاتے رہیں گے تو ہی گھر آئے گا ورنہ تو پوری رات شادی کے ہنگاموں میں بیٹھا رہے گا۔''

ان کی بات پر زینی کو ناچار اٹھنا پڑا، موبائل چارجنگ پر لگا تھا بلکہ اس نے دانستہ خود سے دور چارجنگ پر لگایا تھا تاکہ توجہ کتاب پر ہی رہے۔ اونگھتی ہوئی امی پر نظر ڈال کر وہ موبائل اٹھاتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ بہت دیر تک بیل جانے کے بعد بالآخر کال ریسیو ہوئی اور گانوں کا شور سنائی دینے لگا۔

''گھر کب آؤ گے؟''

کال ریسیو ہوتے ہی اس نے کسی تمہید کے بنا پوچھا تھا، دوسری طرف بابر کو بے اختیار ہنسی آئی۔

''اب یہ مت کہنا کہ تم بن یہ گھر سونا سونا ہے۔''

وہ مزے سے گنگنا رہا تھا۔ بیک گراؤنڈ میں چلنے والے گانے کے بول اب زینی کی بھی سمجھ میں آ گئے تھے۔

''گھر کب آؤ گے، لکھو کب آؤ گے...... کہ تم بن یہ گھر سونا سونا ہے۔''

اس کے شرارت سے گنگنانے پر زینی جھنجلائی تھی۔

''کوئی سونا نہیں، میں تو بہت سکون سے ہوں۔ تمہاری اماں پریشان ہو رہی ہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے۔''

''میری اماں اور اکلوتا بیٹا، لطیفہ ہی لگ رہا ہے۔ ویسے ہر وقت امی، ابو کرتے نہیں تھکتیں اور اب ایسی بے مروتی، بتاؤں گا امی کو۔''

وہ دھمکی دینے لگا۔ زینی نے گہری سانس لے کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ وہ کمرے سے باہر آئی ہی اس وجہ سے تھی۔ اسے معلوم تھا کہ بابر نے سادہ سی بات کو گھما کر اسے تپانا لازمی تھا۔

''ایک گھنٹے کا راستہ ہے بابر! ابھی بھی تم وہاں

حنا بشریٰ

رشتے کانچ سے

''بس پھر میں بات پکی سمجھوں عارفہ بہن!'' نہایت خوشدلی سے مسکراتی خاتون نے ایک نظر سب حاضرین پر ڈالی تھی۔ آنکھوں میں جگنوؤں کی طرح چمکتی خوشی اور جوش کے ساتھ استفسار بھی جھلکا تھا۔

''بالکل...... بات پکی ہی سمجھیں!'' عارفہ کچھ تذبذب کا شکار نظر آئیں تو اک نظر سامنے بیٹھے جمیل صاحب پر ڈالی تھی۔ عارفہ کو خاموش دیکھ کر جمیل

ناولٹ

صاحب نے فوراً جواب دیا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ جمیل صاحب کی اجازت کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتی تھیں۔ ان ہی کا ہر فیصلہ عارفہ کے لیے پتھر پہ لکیر ہوتا تھا۔ جمیل صاحب کے جواب نے تو جیسے خوشیوں کی دیگ کا منہ کھل دیا تھا۔

''مبارک...... مبارک...... بھئی عالیہ پھر منہ تو میٹھا کرواؤ!'' جیسے ہی ہاں ہوئی وہ خاتون تو خوشی سے نہال ہوتے ہوئے عالیہ سے بولیں اور ساتھ بیٹھی فائزہ کے ہاتھ پر پانچ ہزار کا نوٹ رکھتے ہوئے گلے لگایا تھا۔ مٹھائی کی پلیٹ باری باری سب کے آگے کرتے ہوئے عالیہ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

عالیہ کی چھوٹی بہن کی بات پکی ہوگئی تھی اسے بے حد خوشی تھی۔

''ابھی صرف بات پکی ہوئی ہے۔ باقاعدہ منگنی کے لیے تو چھوٹی سی رسم کروں گی!'' فائزہ کی ہونے والی ساس نے جوش وخروش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو عالیہ اور عارفہ کی آنکھوں میں خوشی آنسوؤں کی شکل میں جھلملانے لگی تھی۔

مہمانوں کے آگے چائے اور دیگر لوازمات رکھتے ہوئے عالیہ کے ہاتھوں میں نہایت تیزی سی آگئی تھی جیسے اسے کوئی بہت ضروری کام یاد آگیا ہو۔

''ارے بیٹا...... تم بھی تو چائے پیو!'' مہمان خاتون نے عالیہ کو پکارا تھا۔

مگر عالیہ کی حالت تو ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے پر لگا کر اڑ جائے۔

''جی آنٹی...... میں پیتی ہوں...... بس ابھی

سمیرا گل

"اری سویرا اٹھ جاؤ مرغے کب کے بانگ دے کر فارغ ہو چکے اب تم بھی کچھ بوڑھی جان کا خیال کر لو۔" بے بے کی آواز اس کی سماعتوں کو جھنجھوڑ رہی تھی مگر وہ سویرا ہی کیا جو ٹس سے مس ہو جائے۔ بے بے نے بارہا آوازیں دے کر دیکھ لیا۔ اب روٹین کی بے عزتی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا سو اگلے ہی لمحے بے بے کی چپل نے اس کی کمر ہنک دی تھی۔

اس نے بمشکل اپنے اوپر سے چادر کھسکائی اور مندی مندی آنکھوں سے چارپائی پر طیش سے بھری بے بے کو دیکھا۔ نیند میں لگنے والے یہ جھٹکے روٹین کا حصہ تھے۔

"کیا ہے بے بے! کبھی جو مجھے جی بھر کر سونے دو۔" اور پھر بے بے کو دوسری چپل کا نشانہ باندھتے ہوئے دیکھ کر اٹھ گئی۔ بالوں کو کیچر میں باندھا اور جمائی روکنے کے لیے ہاتھ منہ پر رکھا ہی تھا کہ بیرونی دروازے سے داخل ہوتے ابا کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

"بے بے پلیز۔" اس نے ملتجی نگاہوں سے بے بے کو دیکھا لیکن سویرا کی شکایتیں تو بے بے کا من پسند موضوع تھا۔

"دیکھ لو اپنی ماں کو کس حال میں پڑی ہے۔ تمہاری بیٹی نے ابھی تک چولہا گرم نہیں کیا اور میں اس وقت میں یہ (ہاتھ سے بازو تک اشارہ کیا) بڑے خاندان کو ناشتے سے فارغ کروا کر کچن تک سمیٹ لیتی تھی۔" بے بے کو شاید اپنی تعریفوں کا بڑا شوق تھا ہر وقت ہی موضوع چھیڑے رکھتی تھیں۔

سویرا کو بے بے کی ساری پھرتیاں ازبر تھیں کہ وہ کس ٹائم پر کون کون سا کام نمٹا لیتی تھیں۔

"پتر ٹائم پر اٹھا کرو پتا بھی ہے اماں کو صبح صبح بھوک لگ جاتی ہے۔" ابا نے ہلکی سی سرزنش کی اور بے بے تو صبح صبح کے لفظ پر ہی بھڑک اٹھی تھیں۔

"توبہ ہے سات بج رہے ہیں۔" اب ابا کی باری تھی سننے کی اس نے باہر آ کر منہ پر دو چار چھپاکے مارے بالن اکٹھا کیا اور آگ جلانے بیٹھ گئی۔ پھر بے بے کو تگڑا سا ناشتہ بنا کر دیا۔

اس عمر میں بھی بے بے کی صحت قابل رشک تھی نہ شوگر نہ بلڈ پریشر نہ کولیسٹرول نہ ہارٹ پرابلم اور نہ ہی کوئی زمانہ زور عام بیماری۔

اور بے بے کا فرمان تھا کہ ان کی قابل رشک صحت کا راز ہے وقت پر اٹھنا اور سونا، سارے کام آرام سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نہ کوئی جلدی نہ بیماری وقت اور صحت میں برکت، وقت کی پابندی پر مضمون لکھنے کا کوئی مقابلہ ہوتا تو وہ پہلے نمبر پر آتیں کیونکہ جتنے فائدے انہیں ازبر تھے شاید ہی کسی کو ہوں گے۔

ابھی پچھلے دنوں وہ جمیل جو اپنی لش پش کار میں بٹھا کر شہر لے گیا تھا کہ اب بے بے کو اپنے ساتھ رکھے گا تو بے بے چار دن میں ہی اکتا کر گھر واپس آ گئی تھیں۔

"توبہ ان لوگوں کی بھی کوئی زندگی ہے ساری رات الوؤں کی طرح چھوٹے چھوٹے ڈبوں (موبائل) میں گھسے رہتے ہیں۔ کوئی بات کرے ادھر سے منڈی ہلائی اور ذرا سے ڈیلے لٹکائے پھر وہیں

امتہ العزیز شہزاد

"دیکھو...... تم بات سمجھنے کی کوشش کرو ڈیر! یہ اس طرح کی سپاٹ و فلسفیانہ موضوعات پر مبنی کہانیاں آج کل نہیں چلتیں۔ ان میں ہماری "ٹارگیٹڈ آڈینس" کو کوئی چارم، کوئی اٹریکشن محسوس نہیں ہوتی۔"

شیشے کی مستطیل میز کے دوسری جانب براجمان نیلی جینس پر سفید گھیر دار کرتی زیب تن کیے، بڑی بڑی ذہین چمک دار آنکھوں پر موٹے فریم کا عینک لگائے، تراشیدہ بالوں کا بے پروا سا جوڑا بنائے، وہ خاتون

حسنیٰ حسین

سندس نے پلکیں اٹھا کر والد کو دیکھا، ان کا سوال سنا تو گالوں پر شفق پھوٹ گئی۔ حیا کا ہر رنگ اس کے چہرے پر بکھر گیا اور اس نے کچھ سمٹ کر، کچھ خوشیوں بھرے احساس کے ساتھ سر جھکا لیا۔

اور وہ صدمے سے گنگ دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

محبت ...... سات سالوں کی محبت ......

''مقابل اگر کسی کی چند مہینوں کی ریاضت آجائے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟''

''جیت محبت کی ہو گی اور صرف محبت کی۔'' اس

مکمل ناول

شمائلہ دالعباد

غبارِ سفر

عالمی سطح پر پرفارم کر کے اپنا لوہا منوانے والا پاکستانی ڈھولچی ڈھول کو نئی تال پر لا کر تھاپ دینے لگا۔ اس کے باقی ساتھیوں نے بھی تال پکڑی تو پنڈال میں جھومر ڈالتے مردوں نے بھی جھومر کا انداز

بدل کر پیر اٹھانا شروع کر دیے۔
سرخ شنیل لگی قیمتی کرسیوں سے یکا یک اونچی پگڑی والوں کا ریلا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر تو پیسوں کی گویا بارش ہونے لگی۔ دیکھتے دیکھتے پنڈال میں بچھایا گیا سرخ قالین پیسوں سے چھپ گیا۔ برقی قمقمے اور رنگ برنگی لائٹوں سے سجا پنڈال حویلی سے بڑھ کر حسین لگ رہا تھا۔ سجاوٹ ایسی حسین کی گئی تھی کہ آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

اس کے دیکھتے دیکھتے علاقے کی معزز شخصیات اٹھ کر ولیمے کے دولہا خان راول کے پاس جانے لگیں۔ نوٹوں کی برسات کا مقابلہ سا لگ گیا۔ اس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ مجھے تین لاکھ دیتے ہوئے موت آتی ہے اور جانے کتنے تین لاکھ ڈھولچیوں پر اڑا رہے ہیں یہ لوگ۔

تنفر، غصہ اور شدید رنج کی کیفیت نے اسے بم کا گولا بنا دیا۔ شامیانے کی اوٹ میں کھڑے کھڑے اس نے گھونگھٹ لمبا کھینچ کر دوپٹے کی بکل مار لی۔

''ایسی بے عزتی کروں گی بھرے پنڈال میں، زمانہ مثال دیا کرے گا۔ معزز مہمانوں کو بھی پتا چلے انٹرنیشنل سطح کے فنکار بلانے والے دل کے کتنے چھوٹے ہیں۔'' دل میں تہیہ کرتے اس نے خان راول کے خیال سے بھی آنکھ چرا لی۔ وہ جب اپنا ہی نہ رہا تو پرواہ کیا کرنی، پرائی چیزیں اور پرائے رشتے عزت بڑھاتے کم گھٹاتے زیادہ ہیں۔ ایسا سوچتے ہوئے وہ بھول گئی کہ وہ بھی خان راول کے لیے پرائی ہی تھی اور وہ بھی عزت اتارنے ہی جا رہی تھی، محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود۔ باپ نے سو بار منع کیا تھا کہ جتنا کر چکی ہو وہی نا قابل برداشت ہے، اب خدا کے لیے کچھ اور نہ کرنا۔ لیکن ہائے یہ خودسری، ہائے یہ خود ساختہ صاف گوئی۔ اس نے سب پس پشت ڈال کر قدم آگے بڑھا دیے۔

''او بی بی ادھر کدھر کو؟ بوتل کے جن کی طرح گارڈ سامنے آ کر مخصوص انداز میں پوچھ رہا تھا۔
اس نے گھونگھٹ اور لمبا کھینچ لیا۔

☆☆☆

''بابا سائیں نے ہمیشہ کی طرح یہاں بھی مجھے ہی دبایا۔ جبکہ سجاول بھائی کا رشتہ پکا کرنے سے پہلے باقاعدہ پوچھا گیا تھا۔ چلو اب خود ہی بھورانی کا منہ دیکھا کریں گے بلکہ اب تک انہیں اندازہ ہو گیا ہو گا۔'' اس نے راڈو گھڑی پر بارہ کے ہندسے جگمگاتے دیکھے۔

''جاؤ یار! ہانیہ انتظار کر رہی ہو گی۔'' خان سجاول

عندلیب زہرا

شراکت داری

یہ قصہ چھ ماہ قبل کا تھا۔

یا پھر شاید' اس سے پہلے کا ہو اور میرے علم میں یہ بات اب آئی ہو...... بہر کیف اب میں انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ اپنا لگژری فلیٹ...... جوائنٹ فیملی سے نکلنے کی خوشی اور آزادی کا جشن۔ عادل کی محبت اور اعتماد سب کچھ پس پشت چلا گیا تھا۔ بس ایک احساس باقی رہ گیا تھا اپنی ''گرہستی کے بکھرنے کا۔ اپنے گھر کے ٹوٹنے کا''۔

''شوہر جب نظر بدلتا ہے ناں' تو سب سے پہلے بیوی کو خبر ہوتی ہے۔'' ہماری چچی فریدہ اپنے شوہر کی رنگین مزاجی کی ڈسی ہوئی تھیں۔ سو وہ سب کو اپنے شوہر کے ظلم کے قصے سنا کر خبردار کرتیں۔

''بس مرد ذات کا کوئی اعتبار نہیں پتر۔'' دادی اکثر کہتیں۔

میں نے گاؤں کی ان پڑھ...... سیدھی سادی...... جھلسی رنگت والی چچی کو کبھی کچھ نہ گردانا تھا۔ اپنی تعلیم' خوب صورتی' اداؤں پر بھروسا تھا۔ عادل کی محبت پر یقین تھا۔ سو یہ جاہلانہ باتیں (سو بورنگ ٹاپک یار) مگر اب احساس ہو رہا تھا کہ ہم سب عورتیں اندر سے ایک جیسی ہوتی ہیں ...... چاہے وہ جھلسی رنگت والی چچی فریدہ۔ بظاہر رعب داب والی دادی (جنہیں دادا نے جوانی میں خوب ٹف ٹائم دیا تھا) یا پھر شہر میں رہنے والی یونیورسٹی کی پڑھی' اداؤں سے لبریز فلزا۔

میرا دل کر رہا تھا میں بددعائیں دوں منہ بھر بھر کے...... کوسنے دوں' گالیاں...... شوہر کا گریبان پکڑوں، مومی کو گھر جا کر برا بھلا کہوں۔

نمرہ احمد

حالم

اٹھارہواں باب:

چور اور جاسوس

اس نے خواب میں دیکھا...
چمکتا فرش ہے...
اور دو سپید پیر سیاہ جوتوں میں مقید ہیں...
جوتے گیلے ہیں...
اور چند قطرے پانی فرش پہ بکھرا ہے...
دیکھتے ہی دیکھتے... وہ جوتوں میں مقید پیر پیچھے کو اٹھنے لگتے ہیں...
گیلے جوتوں کے ربڑ سے چیں چیں کی آواز آنے لگتی ہے...
وہ آواز.... وہ نحوست بھری آواز....

☆☆☆

کے ایل کے اس چھوٹے سے گھر کا لان آج سونا سونا سا لگتا تھا۔ گھاس اور پھولوں کے باوجود خالی پن اور ویرانی ہر شے سے ٹپکتی تھی۔ نہ کوئی مرغی تھی جو کسی آہٹ پہ کٹ کٹاتی ہو' نہ کوئی چوزہ تھا جو ادھر ادھر پھدکتا ہو۔
ایڈم کی ایبو برآمدے کے زینوں پہ بیٹھی گود میں ننھا گملا رکھے' کھرپے سے اس کی مٹی کو دھیرے

تیسویں قسط

فریدہ سیف

عارض ورخسار سب غلط

وہ ایک لمبی سڑک تھی۔ جس کے اطراف میں لمبے گھنے درخت تھے جو اوپر جا کر آپس میں مل جاتے تھے۔ ان درختوں سے دھوپ چھدری ہو کر نیچے پہنچتی تھی۔ سو دن کی روشنی میں بھی شام کا گمان ہوتا تھا۔ سڑک پرسکون تھی۔ تنہا اور پرامن۔ یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا اور لوگ پیدل چلنے کے لیے بھی یہ راستہ کم ہی استعمال کرتے تھے۔ اسی لیے یہ سڑک میرب کی پسندیدہ تھی۔

آسمان پر اکا دکا بادل تھے۔ ہوا دھیمے سروں میں چلتی تھی لیکن درخت زور سے سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہتے تھے۔ میرب اکیلی تھی لیکن بے خوف ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ راستہ جانا پہچانا تھا۔ اس کے لمبے بال کھلے تھے۔ آج اس نے سیاہ رنگ کا لباس پہنا تھا۔ سب کہتے تھے یہ رنگ اس پر خوب جچتا ہے۔ اسی لیے اس نے اس رنگ کا انتخاب کیا تھا۔ ہوا نے اس کا آنچل کھینچا تو اس نے اوپر دیکھا۔ آسمان بادلوں سے بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ شکر ہے اس نے ہیل کے بجائے سادہ جوتے کا انتخاب کیا تھا۔ سیاہ فلیٹ جوتوں میں اس کے گورے پاؤں دمک رہے تھے۔ کلائیوں میں پڑی سلور چوڑیوں میں ایک جلترنگ تھی اور سرخ لبوں پر کھلتی مسکراہٹ۔

وہ پیا سے ملنے جا رہی تھی۔ اس کی چال میں ایک سر تھا۔ اور ہر ادا میں ایک نغمگی۔ وہ جیسے ایک گیت کی مانند تھی جو بزبان خاموشی بھی عشق کی تال پر بج رہا تھا۔ سڑک آگے چل کر دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ اس نے دیکھا وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ درخت سے ٹیک لگائے۔ گرے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ سیاہ شرٹ کے اوپر اس نے ڈارک گرے جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے بال کورین انداز میں کٹے ہوئے تھے۔ پیشانی پر آگے کی طرف ترچھے ہو کر۔ وہ خود بھی کورین تھا لیکن اس کا قد لمبا تھا۔ میرب کو دیکھ کر وہ سیدھا ہو گیا۔ چہرے پر ایک خیر مقدمی مسکراہٹ تھی۔ جس کا جواب میرب کی شرمیلی مسکان نے دیا۔

''ہیلو۔'' پینٹ کی جیب سے ہاتھ نکال کر اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ میرب نے سختی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ لیے۔ لب آپس میں دبائے اور دھیرے سے مسکرا کر اس کی ہیلو

زارا ہجرا

گھاٹے کا سودا

”سارے خاندان نے مجھے بہتیرا سمجھایا، چاچے حاکم نے تو باقاعدہ یہ الفاظ استعمال کیے۔

”زمین کا ٹوٹا (ٹکڑا) بیچ کر بختیارے کو وڈے کالج (بڑے کالج) میں پڑھانے کا جو فیصلہ تو نے کیا ہے۔ اصل میں بڑا گھاٹے کا سودا کررہے ہو تم غلام محمد، بختیارا ہے تو تیرا شریک ہی نا۔ اس کی پڑھائی تجھے کیا فائدہ دے گی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت انس جہنی رضی اللہ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا۔ وہاں لوگ اس طرح ٹھہرے کہ آنے جانے کے راستے بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا کہ "جو اس طرح ٹھہرا کہ آنے جانے کا راستہ بند کر دیا، اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔"

(ابو داؤد)

حضرت علیؓ نے فرمایا،

"جو ذات رات کو درختوں پر بیٹھے پرندوں کو نیند میں گرنے نہیں دیتی، وہ ذات انسان کو کیسے بے یار و مددگار چھوڑ سکتی ہے۔"

ماریہ نذیر۔ بھاگٹانوالہ

امام شافعیؒ نے فرمایا،

جب لوگ تمہیں تکلیف میں اکیلا چھوڑ دیں تو جان لو کہ اللہ تمہارے کام کا ذمہ خود لینا چاہتا ہے۔"

نیکی کر دریا میں ڈال،

جنگل میں ایک خوبصورت مگر بزدل چیتے کی شیر سے دوستی ہو گئی۔ چیتا ایک شیرنی کو بہت پسند کرتا تھا اور اس سے شادی کا خواہش مند تھا۔ ایک دن اپنی خواہش کا اظہار شیرنی سے کیا تو اس نے کہا۔

" اس شرط پر میں تم سے شادی کر دوں گی اگر تم میرے لیے ہرن کا شکار کر کے لاؤ گے۔"

چیتا بے چارہ محبت سے مجبور تھا، مان گیا۔ اس نے اپنے دوست شیر کو یہ ماجرا سنایا۔ اس نے دوستی کی وجہ سے ایک ہرن شکار کر کے چیتے کے حوالے کر دیا۔ شیرنی نے بظاہر چیتے کی بہادری دیکھ کر اس سے شادی کر لی۔ پورے جنگل میں شادی کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں مگر شکار کرنے والا شیر بہت اداس بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھی نے اس سے اداسی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

" نیکی بھی دیکھ بھال کر کرنی چاہیے۔ بزدل چیتے کی شادی کرواتے میں، میں نے مدد کی اور وہ کم بخت میرا ہی بہنوئی بن گیا ہے۔"

آج کی اچھی بات،

اچھا بولنے کے لیے اچھا سننا ضروری ہے۔ انسان کو پہلے سننا چاہیے اور اسی سے بولنے کا فن سیکھنا چاہیے۔

بانو قدسیہ،

اگر کسی سے مانگنا ہو تو محبت مانگو، محبت مل جائے تو سب کچھ مل جاتا ہے۔ محبت کے بغیر ہر چیز ایسے ملتی ہے جیسے مرنے کے بعد کفن ملتا ہے۔ مگر میری مانو ...! محبت بھی نہ مانگو، کیونکہ مانگی ہوئی محبت کا مزہ بگڑی ہوئی شراب جیسا ہوتا ہے۔

نادیہ یاسر۔ گلستان جوہر

شریف آدمی،

شریف آدمی وہ ہے جو کسی کے دل دکھانے سے رنجیدہ نہ ہو اور جوان مرد وہ ہے جو دل آزاری کے مرتکب کا بھی دل نہ دکھائے۔

واصفہ سہیل کی ڈائری سے

داغ دہلوی کی یہ غزل اپنے دور کی عکاسی کرتی ہے۔ بامحاورہ اور خالص غزل کا رنگ نمایاں ہے۔

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہو کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

ڈرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو میں
سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو مہمان تو گیا

افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

بزم عدو میں صورت پروانہ دل مرا
گو رشک سے جلا کرے قربان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

ماریہ نذیر کی ڈائری سے

زندگی کے مادی تقاضے پورے کرتے اکثر ہمارے خواب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ حد یا پاس ہو پھر بھی تشنگی نہیں جاتی۔ زندگی کی شوریدہ سری میں

بہت سی باتیں ان کہی رہ جاتی ہیں۔ قیوم طاہر کی یہ غزل اسی ادھورے پن کا احساس لیے ہوئے ہے۔

راہیں طے ہو جائیں تب بھی چند اک رستے رہ جاتے ہیں
خواب مکمل ہو جائیں پر لوگ ادھورے رہ جاتے ہیں

ایسا بھی اک عشق کیا جو خود سے چھپائے پھرتے ہیں
ایسے بھی کچھ شعر کہے جن کو لکھتے لکھتے رہ جاتے ہیں

خوشبو سے پھر کیسا رشتہ، کیا موسم کا جانے آئے
اندر جب پت جھڑ بس جائے، باغ مہکتے رہ جاتے ہیں

کوئی پرندہ لمبی اڈاری مرضی کی جب بھر لیتا ہے
یوں لگتا ہے جیون جال میں دھاگے کچے رہ جاتے ہیں

صحراؤں کی وسعت جن کی آنکھوں میں بس جاتی ہے
دریا پاس پڑاؤ ڈالیں پھر بھی پیاسے رہ جاتے ہیں

آنکھ اور ذہن کو جبر کا موسم تند خزاں سا کر دیتا ہے
ہاتھ میں کانٹے اگ آتے ہیں کاغذ سونے رہ جاتے ہیں

نمرہ، اقرا کی ڈائری سے

احساس کی شدت کو الفاظ کا پیراہن دیا جائے تو رنگ و آہنگ اور جذبوں کا ایک نیا روپ سامنے آتا ہے۔ کنول شہاب احمد نے ایسے ہی کومل جذبوں کو زبان دی ہے۔

تیرا لہجہ بدلتا جا رہا ہے
مگر اب دل سنبھلتا جا رہا ہے